کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور مفتیان عظام قرآن وسنت کی روشنی میں؟

۱) مدارس عربیہ میں پڑھنے والے نوعمر بے ریش بچوں کو سبق یاد نہ کرنے، مدرسہ میں تاخیر سے آنے یا چھٹی کے بعد دوسرے دن نہ آنے پہ بچے کو کتنی جسمانی سزا دینی جائز ہے؟

۲) کیا اس کی گنجائش ہے کہ ایک معصوم لڑکے کی کسی بڑے لڑکے کو ٹانگیں پکڑوا دینا اور دوسرے بڑے لڑکے کو ہاتھ اور ایک ہی وقت میں تیس یا چالیس ڈنڈے مارنا؟

۳) کئی لڑکے قرآن پاک آدھا یا آدھے سے زیادہ حفظ کر جانے کے بعد استاد کی انتہائی سخت مار کی وجہ سے قرآن پاک پڑھنا چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں اس کا قیامت کے دن کون ذمہ دار ہوگا؟

مہربانی فرما کر قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بندہ:- محمد اختر فاروقہ (ضلع سرگودھا)

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً

(۱)۔ اس مسئلہ کا تعلق دراصل ولایت علی النفس سے ہے جس کا حاصل صرف یہ ہے کہ والد کو نابالغ پر ولایت حاصل ہے اس ولایت کے تحت ولی کو حق حاصل ہے کہ صغیر کو تادیباً مارے اور یہ ولایت جس طرح ولی خود استعمال کر سکتا ہے اس میں وہ معلم کو اپنا نائب بھی بنا سکتا ہے چنانچہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے باپ کی نیابت میں معلم صغیر کو تادیباً مار سکتا ہے لیکن سمجھدار عاقل بالغ شخص خود مختار ہوتا ہے کسی دوسرے شخص کو اس کی ذات پر ولایت حاصل نہیں اس لحاظ سے عاقل بالغ طالب علم جب تک معلم کو صراحۃً اپنے اوپر تادیب جاری کرنے کی اجازت نہ دیدے اس وقت تک معلم کے لئے تادیباً مارنا جائز نہیں ہونا چاہیے۔

لیکن جب کوئی طالب علم کسی مدرسہ میں داخلہ لیتا ہے تو عرف وعادت کے مطابق وہ اس پر راضی ہوتا ہے کہ اگر میں نے وقت ضائع کیا یا سبق یاد نہ کیا یا مدرسہ کے قوانین کی خلاف ورزی کی تو اس کوتاہی پر میرے خلاف تادیبی کاروائی کی جاسکتی ہے جو بسا اوقات مار کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے۔

لیکن بچوں کو تادیباً مارنے کا حکم صرف اجازت اور شرعی گنجائش کی حد تک ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے مارنے کی صورت میں معلم کی یہ مار اعتداء اور زیادتی شمار نہیں ہوگی لہذا اس کی وجہ سے معلم پر دنیا یا آخرت میں کوئی قصاص یا ضمان نہیں ہوگا لیکن جہاں تک اس مار کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہونے کا تعلق ہے تو اس کے لئے نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ ہمارے سامنے ہے چنانچہ باوجود کہ آپ ﷺ کو اپنی ازواجِ مطہرات اور خدام وغیرہ پر ولایت حاصل تھی آپ ﷺ نے کبھی بھی اپنی اس ولایت کو استعمال نہیں کیا تھا اور جب بعض صحابیات کی اپنے شوہروں کے متعلق شکایت آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لیس أولئک بخیارکم" "شریف آدمی اپنی بیوی کو مارا نہیں کرتا چنانچہ معلوم ہوا کہ اگرچہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے مارنے کی گنجائش ہے مگر یہ عمل ناپسندیدہ ہے۔

نیز اگر کوئی بچہ وقت ضائع کرتا ہو، بلاوجہ چھٹیاں کرتا ہو یا نماز چھوڑتا ہو تو اس کی اصلاح کی غرض سے اس کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر والد اور استاد مناسب سمجھیں تو اسے ہلکی مار کے ذریعہ سزا دے سکتے ہیں لیکن چونکہ مسئلہ نفس انسانی پر تصرف کرنے سے متعلق ہے جس میں اصل حرمت ہے اسلئے استاد کے لئے ضروری ہے کہ درج ذیل اہم شرائط کی رعایت کرے:

(۱)۔ طالب علم کی اصلاح میں حتی الامکان تدریج سے کام لے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ سب سے پہلے جب

کسی طالب علم میں نامناسب حرکت دیکھے تو اس طالبعلم کی موجودگی میں اس کا نام لیے بغیر نامناسب حرکت سے منع کرے اگر طالب علم سمجھدار ہے تو خود اپنے فعل سے باز آجائے گا۔

(۲)۔ اگر باز نہ آئے تو تنہائی میں اس کو سمجھائے تاکہ وہ باز آجائے اور دوسروں کے سامنے اس کی تحقیر نہ ہو۔

(۳)۔ اگر وہ اس سے بھی باز نہ آئے تو دوسروں کی موجودگی میں اس کو مخاطب کرکے روکے، اور موقع مناسب ہو تو اسے سخت لہجے میں منع کرے تاکہ دوسرے سننے والے بھی سبق حاصل کریں۔

(۴)۔ اگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو اگر اسے مارنے میں مصلحت ہو اور کسی فتنے کا یا اس کے اور زیادہ بگڑ جانے کا اندیشہ نہ ہو تو اس وقت کھلے ہاتھ سے کمر پر صرف تین ایسی ضربیں مار سکتے ہیں جن سے بدن پر نشان نہ پڑیں، اس سے زیادہ مارنے کی اجازت نہیں، اور اس کے چہرے پر ہرگز نہ مارا جائے نیز اسے لکڑی اور سے رحمی یا ڈنڈے سے مارنے کی بھی اجازت نہیں اور ہاتھ سے مارنے کی صورت میں بھی ضرب خفیف ہو ایسی ضرب ہرگز نہ ماری جائے جس سے جسم پر نشان پڑ جائیں ورنہ یہ استاد کی طرف سے طالب علم پر زیادتی ہوگی اور ایسی صورت میں اگر طالب علم استاد کو معاف نہ کرے تو آخرت میں اسکی پکڑ ہوگی کیونکہ حدیث شریف میں ان چیزوں کی ممانعت آئی ہے اور پھر مارنے والے کو اگر بالغ بچہ اپنی خوشدلی سے معاف کردے گا تو معاف ہو جائے گا لیکن نابالغ سے تو معافی کی بھی کوئی صورت نہیں کیونکہ نابالغ اگر معاف بھی کردے تو معافی نہیں ہوگی لہذا بچوں کو مارنے میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے اور آج کل کے ماحول میں چونکہ مارنے سے بچے زیادہ بگڑ جاتے ہیں اور پڑھائی چھوڑ دیتے ہیں اس لئے آج کل مصلحت کے پیش نظر مارنے سے مکمل پرہیز کرنا چاہئے اصلاح کے لئے دوسرے متبادل طریقے اختیار کیے جائیں مثلاً بچوں کو انعام وغیرہ دینا۔ ماخذہ التبویب (۵۳/۱۴۶۹)۔

(۲)۔ اوپر کی تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ استاد کے لئے ناگزیر صورت میں ہاتھ سے صرف تین ضربیں مارنے کی گنجائش ہے لہذا سوال میں مذکورہ طریقے سے معصوم بچوں کے ہاتھ پاؤں بڑے بچوں کو پکڑوا کر بے رحمی سے ایک ہی وقت میں تیس چالیس ڈنڈے مارنا ہرگز جائز نہیں اور اگر زندگی میں اس کا تدارک کرکے مظلوم سے معافی نہ ہوئی تو اس پر قیامت کے دن سخت پکڑ ہوگی لہذا اس طرح مارنے والے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ایسا کرنے سے اجتناب کریں۔

(۳)۔ صورت مسئولہ میں اگر کوئی استاد کسی بچے کو حدود شرعیہ سے تجاوز کرتے ہوئے بے رحمی کے ساتھ مارے اور اس کی اس مار کی وجہ سے بچے کے دل میں نفرت پیدا ہو جائے اور وہ قرآن پڑھنا چھوڑ دے تو وہ استاد اس نفرت پیدا ہونے کا ذمہ دار ہوگا تاہم چونکہ وہ بچے اس مدرسہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے مدرسے میں جا

جاری ہے ---

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

گھر پر دہرا کر ہی اس حفظ کیے ہوئے قرآن کو باقی رکھ سکتے ہیں لیکن اگر اس کے باوجود وہ اپنی کوتاہی سے
قرآن پڑھنا چھوڑ کر بھول جائیں تو قیامت کے دن اس کے بھول جانے کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔

وفي الدر المختار(٣٥٢/١)
(وإن وجب ضرب ابن عشر عليها بيد لا بخشبة) لحديث «مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر».
وفي رد المحتار تحته:(قوله: بيد) أي ولا يجاوز الثلاث، وكذلك المعلم ليس له أن يجاوزها «قال - عليه الصلاة والسلام - لمرداس المعلم إياك أن تضرب فوق الثلاث، فإنك إذا ضربت فوق الثلاث اقتص الله منك» اهـ إسماعيل عن أحكام الصغار للأستروشني، وظاهره أنه لا يضرب بالعصا في غير الصلاة أيضا.(قوله: لا بخشبة) أي عصا، ومقتضى قوله بيد أن يراد بالخشبة ما هو الأعم منها ومن السوط أفاده ط.

وفي المشكاة:(٣٢٧/٢)
عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال :"إذا ضرب أحدكم فليتق الوجه " . رواه أبو داود.

وفي الهندية:(٣٧٩/٥)
أن لا يضرب الصبيان ضربا مبرحا ولا يجاوز الحد فإنه يحاسب يوم القيامة.

وفي كنز العمال (٢٤٩/١٠)
"علموا ولا تعنفوا فإن المعلم خير من المعنف" . الحارث "عد، هب" عن أبي هريرة.

وفي التيسير للمناوي (١٣٦/٢)
(علموا ولا تعنفوا) أي علموهم وخالقكم الرفق ضد العنف (فإن المعلم) بالرفق (خير من المعلم (المعنف) فإن الخير كله في الرفق والشر في ضده فعلى العالم أن لا يعنف سائلا ولا يحتقر مبتديا فإن ذلك يعمي فكره ويخبط ذهنه (الحرث) بن أبي أسامة (عد هب عن أبي هريرة).

وفي سنن أبي داؤد (٢٨١/٢)
بَاب التَّشْدِيدِ فِيمَنْ حَفِظَ الْقُرْآنَ ثُمَّ نَسِيَهُ.. عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ امْرِئٍ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ ثُمَّ يَنْسَاهُ إِلَّا لَقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَجْذَمَ.

واخرج البخاري في صحيحه (٦٢/١٩)
جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ الصَّلَاةَ فَقَرَأَ بِهِمْ الْبَقَرَةَ قَالَ فَتَجَوَّزَ رَجُلٌ فَصَلَّى صَلَاةً خَفِيفَةً فَبَلَغَ ذَلِكَ مُعَاذًا فَقَالَ إِنَّهُ مُنَافِقٌ فَبَلَغَ ذَلِكَ الرَّجُلَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا قَوْمٌ نَعْمَلُ بِأَيْدِينَا وَنَسْقِي بِنَوَاضِحِنَا وَإِنَّ مُعَاذًا صَلَّى بِنَا الْبَارِحَةَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ فَتَجَوَّزْتُ فَزَعَمَ أَنِّي مُنَافِقٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ <u>يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ ثَلَاثًا</u> اقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَسَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَنَحْوَهَا.

وفي شرح أبي داؤد للعيني (٤٤٧/٣)
قوله: " أفتان أنت ؟ ! " أي: منفر عن الدين، وصاد عنه، ففيها <u>**الإنكار على من ارتكب ما ينهى عنه**</u>، وإن كان مكروها غير محرم، وفيه جواز الاكتفاء في التعزير بالكلام، وفيه الأمر بتخفيف الصلاة، والتعزير على إطالتها، إذا لم

دار الإفتاء

Scanned by CamScanner

وفي مرقاة المفاتيح (٣/١٣٩): (فتانا) أي منفر عن الدين، وصاد عنه، وموقع للناس في الفتنة. قال الحافظ: معنى الفتنة ههنا أن التطويل يكون سببا لخروجهم من الصلاة، وللتكره للصلاة في الجماعة.

وفي المحيط البرهاني (١/٤٤٢): واعلم بأن التطوع بالليل حسن لقوله تعالى: {ومن الليل فتهجد به نافلة لك} (الإسراء: ٧٩)، وبعض العلماء قالوا ركعتان في كل ليلة، كمن قرأ القرآن سنة. والله تعالى أعلم بالصواب

محمد بلال عفي عنه

دار الافتاء جامعة دار العلوم كراتشي

٢٨ ربيع الاول ١٤٣٣ھ

٢٠١٣/١/...

الجواب صحيح

٢٩ ربيع الاول ١٤٣٣ھ

الجواب صحيح

٢٩/٣/١٤٣٣ھ

الجواب صحيح

محمد يعقوب عفا الله عنه

٢٩/٣/١٤٣٣ھ

الجواب صحيح

٢٨/٣/١٤٣٣ھ

مفتي

دار الافتاء

٥٨/١٥٠٤

٢٩/٣/٣٣

٢٠١٣/٢/١

Scanned by CamScanner